بلوچی زبان میں قدیم شعری ونثری ادب

عذرا وقار

کسی مخصوص علاقے کی زبان وہاں کے لوگوں کے لئے اپنے خیالات اور جذبات کے اظہار کا ذریعہ ہوتی مگر یہ محض خیالات وجذبات کا اظہار ہی نہیں کرتی بلکہ ان کی تشکیل وتعمیر اور جذبات کی تہذیب وتزئین میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جب آپ زبان سے الفاظ ادا نہ کر رہے ہوں محض نحو، ونحوص میں معروف ہوں تب بھی آپ کے ذہن میں الفاظ اپنا عمل کر رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ کسی علاقے کی اپنی زبان ہی اپنے تاریخی، جغرافیائی، سیاسی وسماجی حالات کو بہتر طریقے سے بیان کرسکتی ہے کیونکہ وہ زبان اسی ماحول میں ڈھلی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان کی مصروفیات اور مشاغل کا اُسکی زبان کے سانچے اور تشکیل الفاظ اور ادب پر براہ راست اثر ہوتا ہے۔

بلوچی زبان کا ادب تلوار، جنگ وجدل، شجاعت، رہزنی، شاہ سواری، گھوڑوں، بدلے اور انتقام کا ادب، قدیم منظومات جو داستان گوؤں کی وساطت سے ٹکڑوں کی شکل میں ہم تک پہنچی ہیں اُس زمانے سے متعلق جب بلوچی قبائل نے ایرانی بلوچستان اور حکمران سے سبی اور سندھ کے میدانوں کی طرف ہجرت کی۔ بلوچوں کا قدیم قبائلی نظام اپنے اپنے شعراء کی سرپرستی کرتا تاکہ جہاں وہ اپنے محسنان قبیلہ کی مدح وستائش کریں وہاں مخالف قبیلے کو اپنے ہجو وطنز کا نشانہ بنائیں۔

یہ تمام شاعری لکھی ہوئی شکل میں نہیں بلکہ سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی ہے [1]۔ اس میں ہمیں خودداری اور عسکریت کا سبق ملتا ہے بلوچی شاعر قبائلی نظام کے مختلف اخلاقی اور تہذیبی پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں۔ اس میں تلواروں کی جھنکار بھی ہے اور محبت کش دلوں کی پکار بھی ہے۔ کامیابی، فتح، ناکامی، مایوسی، بہار وخزاں غرض زندگی کے تمام پہلوؤں کی عکاس ہے۔

شعری ادب:

سب سے پہلے مستشرقین نے بلوچی شاعری پر تحقیقی کام کیا۔ اُنہوں نے بلوچی اشعار کو یکجا کر کے مختلف متون اور تلفظ کا تقابلی مطالعہ اور محاکمہ کیا۔ اسطرح بے شمار چیزیں ایشیاٹک سوسائٹی کے جنرل میں شائع ہوئیں۔ ان سب میں سر اے۔ ایل۔ ڈیمز کی کتاب زیادہ محققانہ ہے۔ اس کتاب میں بلوچی شاعری کے بارے میں لکھا ہے۔

> "بلوچی شاعری میں نہ تو ایرانی نمانے کی غزلیں ہیں، نہ دیوانوں کی ترتیب ملتی ہے۔ بلوچی شاعری مضمون اور اظہار بیان کے اعتبار سے سادہ اور سلیس ہے اور ان کی زندگی اور ملکی ماحول کی سچی عکاسی کرتی ہے۔ یہ عین قدرتی عمل ہے کہ بے آب وگیاں چٹیل پہاڑوں اور ریگستانوں میں زندگی گزارنے والا شاعر بارش اور

بادوباراں کے طوفان کی تمنا کرتا ہے اور سرسبزی اور شادابی کا آرزومند رہتا ہے''(۲)۔

قدیم بلوچی شاعری کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تاریخی واقعات کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے مختلف واقعات میں تحریر کردہ اشخاص کے نام اور جگہیں تمام وکمال درست ہیں۔ اس سلسلے میں بلوچ شاعروں نے بہت احتیاط سے کام لیا ہے اور واقعات کو من وعن بیان کیا ہے اگر واقعات کے تسلسل کو ترتیب دے دیا جائے اور کانٹ چھانٹ کر کے خالص مواد کو نکال لیا جائے تو اس کلاسکی شاعری کی مدد سے بہ آسانی بلوچی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ بالخصوص پندرھویں اور سولھویں صدی کی شاعری کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے۔ جنگی کارناموں کے علاوہ بلوچی شاعروں نے عشق وعاشقی، روایتی قصہ کہانیوں اور حکایات کو بھی نظم کیا جس میں فتح ونفرت، شجاعت اور رومان کو موضوع بنایا گیا۔

بلوچی شاعری کا آغاز میر چاکر رند کی شاعری سے ہوا۔ اس کے دور کے اور بھی شعراء کا کلام ہمیں ملتا ہے مگر اس سے پہلے دور کی صرف ایک نظم ملتی ہے جو بلوچ قوم میں 'دفتر' کے نام سے موسوم ہے۔ اسکا کچھ حصہ درج ذیل ہے۔

ترجمہ:۔

> گیاں کا بادشاہ (ستیان کا) شمس الدین تھا جسکا بلوچوں کے ساتھ برتاؤ دوستانہ تھا جب بدرالدین تخت پر بیٹھا، اُس نے اچانک بلوچوں کے ساتھ دشمنی مول لی ہم سب بلوچوں کا سردار میر جلال ہان تھا جو علاقہ کیچ کے دائیں طرف واقع ہے پورے تیس سال رند اور لاشاری آپس میں لڑتے رہے یہ بلوچی ضد اور انتقام کا نتیجہ تھا(۳)۔

یہ بلوچ شاعری جسے 'دفتر' کہا جاتا تھا۔ اس کے بارے میں میر گل خان نصیر لکھتے ہیں کہ بلوچی زبان ۱۹۴۰ء تک تحریر میں نہیں آتی تھی البتہ بعض ملاّ اور خواندہ اشخاص کبھی کبھی فارسی رسم الخط میں بلوچی اشعار کے دفتر (دیوان) تحریر کیا کرتے تھے(۴)۔ اس کے بعد بھی بلوچی شاعری کو ہم تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ (ا) رند عہد، (ب) عہد خوانین، (ج) برطانوی عہد۔

(ا) رند عہد:۔ (۱۴۵۰ء۔ ۱۵۵۵ء) سیان سے جب بلوچوں نے ہان کی سرکردگی میں بلوچستان کی طرف ہجرت کی اُس عہد کو رند عہد کہا جاتا ہے۔ ہان کی وفات کے بعد اُسکا بیٹا شاعداد خان، پھر اُسکا بیٹا میر شیہک اور اُسکی وفات پر اُسکا بیٹا میر چاکر رند بلوچوں کا امیر ہوا۔ رند اور لاشاریوں کے آپس کی قبائلی جنگوں سے بلوچی شاعری بھری پڑی ہے اور جسکا تفصیلی ذکر حکایات پنجاب، میں بیان کیا گیا ہے(۵)۔ اس دور کی نظمیں نہایت سادہ انداز میں لکھی گئی ہیں اور مقامی روایتی زندگی کا عکس ہیں ان میں زبان کی بوقلمونیاں دکھائی نہیں دیتیں۔

چاکری دور میں بلوچ نظمیں اپنے عہد کا آئینہ ہیں۔ اس دور کا غالب جذبہ انتقام تھا۔ یہ ایک ایسا معاشرہ تھا جس

میں لوگ طاقت، بہادری اور وفاداری کی عزت کرتے تھے۔ حق و باطل کا امتیاز زورِ شمشیر سے کیا جاتا تھا یا شعراء کی آتش بیانیوں سے بلوچی شاعری رزمیہ اور بیانیہ بھی تھی اور عشقیہ بھی (٦)۔ اس دور کے مشہور شاعر میر چاکر رند، میر گواہرام لاشاری، کلاتی حبیب، فرنگی شیاہی، حاڑو حلب اور بکر گواہرام ہیں۔ میر چاکر نے لاشاریوں کے خلاف ہرات کے بادشاہ سے مدد مانگی۔ اُسکی نظم مندرجہ ذیل ہے:

ترجمہ:۔

سترہ سو بہادر نوجوانوں کے ہمراہ
بھائیوں کے قتل کے غم میں
چاکر نے ایک پہر بھی آرام نہیں کیا
اور ہرات کے مشہور اور دولت سے معمور شہر میں جا پہنچا
اُس نے سلطان شاہ حسین سے ملاقات کی
یہ دیکھو کہ میر گہرام، میر بکر اور رامین لاشاریوں نے
سلطان شاہ حسین کو سونے کے تاروں سے بُنے ہوئے قالین بھیجے
ترک سلطانوں نے اُن کو (رشوت)
بے اعتنائی سے قبول کیا (٧)۔

میر چاکر کے بیٹے میر شاھداد کی نظم درج ہے:

چلے آتے ہیں چالیس ہزار بہادر رند نوجوان سب فوجوں سے آگے
ہمایوں بھی تین لاکھ فوجوں کے ساتھ آیا
تاکہ دشمنوں کو سخت سبق پڑھائے
ہمایوں کی فوج لاتعداد ہے
چمکنے والے نیزوں کی وجہ سے زمین پر سایہ ہو گیا (٨)۔

اک نظم ملک سراب کی درج ہے:

اے بجار تیرے لئی بہتر ہے
اے خاں (امیر) تیری بہتری ہے

کہ آ اور ملت سرا سب سے مل

آ!اور تین مرتبہ اُس کے سامنے جھک (۹)۔

خیرو ولد مندو کی نظم:

تیز کر میری بجلی جیسی تلوار اور خنجر کو

کیونکہ رندوں کے پیغام آتے ہیں (۱۰)۔

بعد ازاں رند بھی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ میر چاکر رند اور بجاڑ رند۔ خیرو مندو دوسرے گروہ سے تھا، جسکی نظم اوپر درج ہے۔

یہ رزمیہ نظمیں بلوچی شاعری کی اہم نظمیں ہیں۔ ان کے علاوہ وہ نظمیں ہیں جو بلوچوں کی ہجرت، تاریخی واقعات اور اُن کے شجرہ نسب کے بارے میں ہیں۔ رزمیہ نظمیں رندوں، لاشاریوں اور دودیوں کی باہمی جنگوں کے بارے میں ہیں۔ اس کے علاوہ عشقیہ نظموں میں بیورغ کی نظمیں ہیں۔

مثال کے طور پر یہ نظم:

ترجمہ:

اے پیر ولی خدمت گاذ آؤ اور اسطرح آؤ جیسے صبح صادق آتی ہے اور مجھ سے میرے گیت لیجا کر انہیں اس طرح گاؤ کہ گراں ناز انہیں سن لے (۱۱)۔

رند دور میں کئی رومان ظہور پذیر ہوئے جن میں حانی شئے مرید، بیبرگ وگراں ناز، شہداد و مانہاز، اور کئی دیگر داستانیں شامل ہیں۔ اسکا اثر یہ ہوا کہ بلوچی شاعری میں رزمیت کے ساتھ رومانیت بھی اسکے مزاج کا حصہ بن گیا اور بلوچی میں رومانی شاعری کی بنیاد پڑی۔ 'بیورغ یا بیبرگ' کا تعلق رند اشرافیہ سے تھا۔ اوپر اُسکی نظم کی چند لائنیں دی گئی ہیں۔ ان شعراء کے علاوہ مانہار سولھویں صدی کی بلوچی کی بے مثال شاعرہ تھی۔

(ب) خوانین دور:۔ (۱۵۵۰ء۔۱۸۳۰ء) اس دور میں کُچھ عرصہ تو سیاسی فضا تاریک رہی سترھویں صدی کی دوسری دہائی میں ایک قبائلی وفاق بلوچستان میں قائم ہوا اور خوانین کے ایک نامور حکمران خان نصیر نوری اوّل نے عنان حکومت ہاتھ میں لیکر تمام منتشر قبائل کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ میر نصیر خان کے دربار میں ایران اور افغانستان سے آئے ہوئے علماء نے عربی اور فارسی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کا اثر اس دور کی شاعری میں دکھائی دیتا ہے۔ شعراء نے قدیم بلوچی شعری روایت کے برعکس فارسی تشبیہات واستعارات کو استعمال کیا۔ اس دور کے شعراء میں جام درک سرپرست ہے۔

رزمیہ شاعری کے ساتھ عشقیہ اور مذہبی شاعری کی بنیاد اس دور کی خصوصیت ہے۔

جام درک:۔

جام درک نے مشرقی، مغربی لہجوں کے امتیاز سے بلوچی شاعری کو توانا لہجہ عطا کیا جس میں جذبے کی شدت اور سچائی سمیت ایک بلند تخیل کار فرما نظر آتا ہے۔ جام درک کے ہاں تشبیہ، استعارہ، اشارہ، کنایہ اور تخیل کی رنگ آمیزی اور نزاکت کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ ان کی شاعری میں لطافت اور شستگی کا ایک نمونہ دکھائی دیتا ہے۔ حسنِ زبان کو نغمگی کے ساتھ ملا کر پیش کرنے کا وہ انداز جو فارسی شاعر نظیری سے مخصوص ہے۔ وہ اگرچہ نصیر خان نوری کا درباری شاعر تھا مگر اس میں قصیدہ خوانی کا پہلو نہیں تھا۔ اسکا کلام بلوچوں میں بہت مقبول تھا۔

جام درک کی ایک نظم

ترجمہ:

اے صبح کو ہولے ہولے دھیرے دھیرے چلنے والی ہوا تیرا مقام بہشت میں ہے۔ اس لئے کہ تو میری محبوبہ کی گلی سے آرہی ہے (۱۰)۔

جام درک نے خالص بلوچی رنگ میں شاعری کی۔ اس نے شریں فرہاد کا قصہ لکھا تو اس میں شریں ایک بلوچ حسینہ کے روپ میں دکھائی دیتی ہے، اور فرہاد ایک بلوچ نوجوان۔ اس کے کرداروں کی بات چیت بھی بلوچوں والی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے دوستیں وشریں، لیلیٰ مجنوں، بی برگ وگراں ناز کی داستانوں کو نظم کیا۔ دل اور آرزو سے دل کی اُلجھنوں اور کشمکشِ حیات کو جس چابک دستی سے اور فکر واحساس کے ساتھ جام درک نے بیان کیا ہے شاید ہی کسی دوسرے بلوچی شاعر نے کیا ہو۔

ملا فاضل:۔

خوامین دور کے دوسرے اہم شاعر ملا فاضل ہیں۔ ان کے کلام میں حافظ شیرازی کا رنگ نمایاں ہے، صنائع لفظی، ابہام اور علمی تلمیحات وکنایات کے سبب، جو اسکی بیشتر نظموں میں موجود ہیں، بعض مرتبہ عام ذہن کے لئے انکے کلام کو سمجھنا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس نے بلوچی کو ایک نئے اور منفرد طرزِ احساس سے آشنا کیا۔ کہیں کہیں تو وہ فارسی، عربی الفاظ، تراکیب استعمال کرتا ہے اور کہیں کہیں خالص اور ٹھیٹھ بلوچی الفاظ وتراکیب اس حوالے سے بھی وہ مشکل پسندی کی طرف مائل دکھائی دیتا ہے۔

نمونہ کلام:

ترجمہ:

(میری محبوبہ) تم کس وجہ سے مغموم اور منہ لٹکائے بیٹھی ہو۔ حالانکہ تم خوش آہنگ باجے، چنگ کی طرح گانے پر آمادہ دکھائی دیتی ہو۔ جب تم میرے پاس آتی ہو تو مجھ پر برسے بادل کی طرح چھا جاتی ہو۔

سترھویں صدی کا ایک اور شاعر عثمان حکیمتے بھی تھا جو کمران کا رہنے والا تھا۔ خوانین کے عہد میں درباری زبان فارسی تھی۔ اس لئے فارسی میں شعر لکھنے کا رواج ہوا، خوانین نے بلوچی کی بھی سرپرستی کی۔ اس دور کی بلوچی شاعری پر زبان کے لحاظ سے فارسی، سندھی، سرائیکی کا اثر پڑا۔ بعد میں نصیر خان دوم کے عہد میں اور خداداد خان کے عہد میں فارسی کا بہت چرچا ہوا۔ انیسویں صدی کے اوائل میں فارسی اثرات کے تحت قلات میں ایک مخصوص شاعرانہ اسلوب ملتا ہے (۱۳)۔ انگریزوں کی آمد پر فارسی بتدریج ماند پڑ گئی اور اسکی جگہ اُردو نے لے لی۔

(ج) **انگریز دور:** انگریزی دور میں بلوچی شاعری پر سرائیکی اور سندھی کا اثر پڑا۔ عظیم شاعر مست توکلی (۱۸۹۶ء) کے علاوہ ابراہیم سُمبانی، لشکر خان جسکانی، جیسوا کرد، حیدر بالا چانی، رحم علی مری، ملا عمر مری، خدا بخش مری، پنجو بنگلانی، پہلوان فقیر، احمد والا شوراں، غلام محمد بالا چانی، چگھا بزدار، سنگت، انجم قزلباش مند کبیری اور جوالنال بگٹی شامل ہیں (۱۴)۔ اس دور میں دو مکاتیب فکر تھے مشرقی اور مغربی۔ مشرقی مکتب پر سندھی اور سرائیکی شاعری کا اثر پڑا اور مغربی مکتب پر فارسی کا۔

چند شعراء کے بارے میں مختصراً بیان کیا جاتا ہے:

رحم علی مری: یہ بجار مری کے فرزند تھے۔ اُنہوں نے اپنی شاعری میں انگریزی استعمار کے خلاف حریت پسندوں کو مزاحمت پر اُکسایا۔ کہتے ہیں:

ترجمہ:

سست اور کاہل قومیں مر جاتی ہیں اور فائدہ اور نفع تو جنگوں میں ہے۔

ملا قاسم اور رحم علی مری بلوچی زبان کے اولین شعراء میں سے ہیں جنہوں نے ۱۹۳۶ء کی ترقی پسند تحریک سے بہت پہلے طبقاتی تضاد کی بات کی۔

مست توکلی:

مست توکلی (۱۸۹۶ء) حسن وعشق کے شاعر تھے۔ اُن کا انداز بیان شگفتہ تھا۔ وہ قبائلی جنگ سے شدید نفرت کرتے

تھے۔

ترجمہ:

جنگ کی باتیں اس لئے قابل نفرت ہیں کہ وہ کون ہے جو اپنے دوستوں کو جنگ کی آگ میں جھلستا دیکھے (۱۵)۔

مست توکلی ایک صوفی شاعر تھے اور اُنہیں سمو سے عشق تھا۔ اُن کی ایک نظم کا ٹکڑا، سمو یک سہرے بہارانی، سمو یک ڈیوائے لتارانی۔

ترجمہ:

سمو ایک سرخ پھول ہے بہاروں میں کھلنے والا۔ سمو ایک دیا ہے اندھیری رات میں اُجالے کرنے والا (۱۶)۔

چکھا بزدار (و ۱۹۶۰ء):

چکھا بزدار بلوچی زبان کے ایک عظیم شاعر تھے۔ اُنہوں نے انگریزوں کے خلاف مزاحمتی شاعری کی اُنہیں سرداری مظالم کے خلاف لڑنے کی پاداش میں پس زنداں کیا گیا۔

ترجمہ:

ہم قوم کا لباس تھے اور اُنہیں لباس پہناتے تھے، کیونکہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ قوم برہنگی کا شکار ہو جائے مگر اُلٹا ہمیں بے لباس (بے وقار) کرنے کی کوشش کی گئی اور ہمارا نام راہزن کے طور پر لیا جانے لگا۔

جوانسال بگٹی:

اُنہوں نے اپنی شاعری میں اخلاقی، مذہبی اور معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا، وہ خلافت تحریک سے وابستہ تھے اور اس سلسلے میں جیل بھی گئے۔ نظم کے چند اشعار۔

ترجمہ:

ہم حضرت آدم کی اولاد ہیں جو ہمارے نیک و بد کے جدِ اعلیٰ ہیں ایک وہ شخص جو ہمارے قریب ہی رہتا ہے وہ روسیاہ ہے، درندہ ہے۔ میں اُسے پہنچان گیا ہوں۔ وہ شیطان ہے نا قابل بھروسہ ہے (۱۷)۔

مختصراً بلوچی شاعری کے تین کلاسیکی ادوار تھے۔ پہلا رند عہد جس میں شاعری جنگی کارناموں کے بارے میں ہوتی تھی تب ہی رومانی شاعری کی روایت پڑی۔ دوسرے خوانین کے دور میں فارسی کا اثر بلوچی پر پڑا اس کے علاوہ سرائیکی اور سندھی کا اثر پڑا۔ تیسرا دور انگریز دور تھا یہ مزاحمتی شاعری کا دور تھا جب بلوچی شعراء انگریزوں کے خلاف لکھتے رہے۔ اس دور میں عروضی شاعری کا رواج پڑا۔ نئی اصناف سخن پر طبع آزمائی کی گئی۔

نثری ادب:۔

بلوچی ادب کی ابتداء اٹھارویں صدی میں ہوئی، جب بلوچی ادب کو ضبطِ تحریر میں لانے کیلئے عربی اور فارسی رسم الخط کا استعمال کیا جانے لگا تھا۔ قلمی نثری مخطوطات کا قدیم ترین نمونہ ہوتمان کلمتی کا ہے جو اُنہوں نے ۱۷۶۳ء میں تحریر کیا۔ اس قلمی نسخے میں تاریخی واقعات، داستانیں، بلوچی کہاوتیں اور کہانیاں شامل ہیں۔ رزمیہ داستانوں میں دوسری جنگی مہمات کے علاوہ ساحل بلوچستان پر پرتگیزوں کے خلاف بلوچوں کی لڑائیوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

بلوچی نثر کا دوسرا قدیم نسخہ کتاب لفظ بلوچی ہے جسے کمالان گچکی نے ۱۸۷۲ء میں تحریر کیا تھا۔ اس کے علاوہ برطانوی دور میں رومن رسم الخط میں لکھی ہوئی شائع شدہ بلوچی کتب ہیں جو انگریز سرکار نے بلوچی زبان سے اپنے اہل کاروں کو روشناس کرانے کیلئے لکھی تھیں۔ رائے بہادر ہتیو رام کی کتاب 'بلوچی نامہ' (۱۸۷۲ء) اور لانگ ورتھ ڈیمز کی کتاب 'A Text Book of Balochi Language' اس سلسلے میں کی دو اہم کتابیں ہیں جن میں بلوچ قوم کے حالات، نسلی تاریخ، تاریخی جنگی داستانیں اور لوک کہانیاں بالترتیب فارسی اور رومن رسم الخط میں تحریر کی گئی ہیں (۱۸)۔

انگریز حکام نے بلوچی حرف ونحو، لغات اور بول چال کی کتابیں انگریزی اور رومن رسم الخط میں اپنی ضروریات کے تحت لکھیں۔ ۱۸۷۴ء میں گلیڈسٹون نے 'بلوچی ہینڈ بک' مرتب کی۔ ۱۸۷۵ء میں تہورام نے انگریزی حکام کی درسی ضرورت کے پیشِ نظر 'بلوچی نامہ' مرتب کیا۔ وجہ تالیف سے قطع نظر 'بلوچی نامہ' تحریری زبان کی نشوونما میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

تہورام لکھتا ہے:

> ''پہلے سے کوئی قاعدہ و قانون تحریر اس زبان کا نہیں تھا۔ نہ کچھ رواج تحریر کا رہا۔ نہ اس زبان کے واسطے کوء خاص حروف مقرر ہیں۔ ہر زبان اپنے حروف سے زیب قلم پاتی ہے ایک زبان دوسرے حروف میں ہمیشہ بصحت کمال نہیں لکھی جاتی۔ اگرچہ اس زبان کو فارسی سے کچھ تو میل ہے مگر سبب نہ ہونے چنداں رواج نوشت و خواند کے فارسی حروف کے ساتھ کئی اب تک بیگانہ وار ہے۔ حتی الامکان عند تحریر لگانے اعراب و ملا الفاظ کا بہت ملحوظ کیا گیا ہے لیکن چند الفاظ اس زبان میں ایسے تلفظ دیتے ہیں جن کا صحیح لکھنا فارسی حروف سے ساتھ دشوار ہے۔ مثلاً کہنا، دس، دسی، براس، ان الفاظ کا تلفظ نہ 'س' سے نہ 'ز' سے نہ 'ذ' سے موافق ہوتا ہے (۱۹)۔

مندرجہ بالا عبارت سے۔ قدیم نثر کے ابتدائی دور میں جب کہ اُسے تحریری صورت میں لانے کی کوشش کی جارہی تھی، اس کو تحریر کرنے میں پیش آمدہ مشکلات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یعنی اس کتاب کے لکھنے تک بلوچی نثر لکھنے کے لئے

حروف تہجی بھی نہیں بنائے گئے تھے اور فارسی کے حروف تہجی بلوچی کو لکھنے کے لئے ناکافی ثابت ہو رہے تھے۔ اُس دور کی بلوچی نثر کی مثال دیکھئے۔

بلوچی نامہ سے اقتباس:

ترجمہ:

اُس وقت نوشیروان بادشاہ کی حکومت تھی اُس کا نام اور عدل آج بھی ہم پر بخوبی واضح و عیاں ہے۔ بادشاہ نے بنفس نفیس بلوچوں پر چڑھائی کی اور بلوچوں کو علاقہ بدر کر دیا[۲۰]۔

لانگ ورتھ ڈیمز کی کتاب سے اقتباس:

ترجمہ:

ایک بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ وہ کل تک ہر جنس کا بیج ان کی خدمت میں پیش کرے وزیر یہ سن کر پریشان ہوا اور گھر چلا گیا۔ وزیر کی بیٹی نے باپ کو پریشان دیکھا اُس سے دریافت کیا کہ وہ کیوں پریشان ہے[۲۱]۔

جس کلام کا آغاز ڈیمز لونگ ورتھ نے کیا تھا یعنی بلوچی قصے کہانیوں کو جمع کیا تھا اُسے بعد میں میر عاقل خان مینگل، عبدالرحمٰن غور، غازی امان اللہ، غوث بخش صابر، میر گلزار خان مری، محمود خان مری، حاجی مومن بزدار وغیرہ نے آگے بڑھایا اور گیدی قصہ، کی کئی جلدیں شائع کی گئیں۔

بلوچی نثر کا ایک اہم حصہ دینی اور مذہبی ادب ہے۔ ۱۹۱۷ء میں بائبل سوسائٹی پنجاب نے بائبل کا بلوچی زبان میں اور فارسی رسم الخط میں ترجمہ شائع کیا اور عیسائی مشنری بلوچستان میں عسائیت کی تبلیغ کے لئے دورے کرنے لگی[۲۲]۔ اہل بلوچستان میں پہلے ہی برطانوی سامراج کے خلاف نفرت و حقارت کا جذبہ اُبل رہا تھا۔ اب جو انگریزوں نے اُن کے مذہب پر حملے کرنے شروع کیے تو علماء حضرات نے عیسائی مبلغوں کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا اور لوگ ڈھاڈر میں جمع ہوتے اور ۱۸۷۶ء میں مولوی عبدالکریم اور مولوی محمد فاضل نے مدرسہ درخانی قائم کیا[۲۳]۔ اس مدرسہ فکر سے وابستہ علماء اور اساتذہ نے بلوچی زبان کے لئے عربی رسم الخط تجویز کیا اور قاعدہ بغدادی کی طرز پر بلوچی قاعدہ مرتب کیا اور اسی رسم الخط میں بلوچی کتابوں کی اشاعت کا انتظام کیا۔ ملا حضور بخش جتوئی نے قرآن پاک کا بلوچی میں ترجمہ کیا۔ اس مکتب فکر کے شعراء نے بھی مذہبی و علمی موضوعات پر شعری ادب میں اضافہ کیا۔ حمد و نعت، منقبت، غزل، مناجات، نصیحت نامہ، مذہبی اور اخلاقی مثنویاں بکثرت لکھی اور شائع کی گئیں۔ درخانی مدرسہ فکر کا ایک اہم کردار یہ بھی تھا کہ اس نے نہ صرف کتابیں لکھیں اور شائع کیں بلکہ پڑھنے والوں کا

ایک حلقہ بھی پیدا کیا اور تمام دینی مدارس میں بلوچی نثری کتابیں ذوق وشوق سے پڑھی جانے لگیں۔ درخوانی علماء نے تقریباً تین سو انتالیس کے قریب دینی کتابیں شائع کیں جن میں سے اکانوے (۹۱) بلوچی میں اور دوسو کے قریب براہوی میں اور دیگر سندھی اور اُردو میں تھیں۔ چند اہم بلوچی کتابوں کے نام یہ ہیں (۲۴)۔

۱۔ شروط الصلوٰۃ
۲۔ دورایات ابدی
۳۔ شمائل شریف بلوچی
۴۔ حکایات عجیبہ
۵۔ قدوری مترجم
۶۔ نادر المواعظ
۷۔ حکایات الصادقین
۸۔ ناصح البلوچ
۹۔ اودفتہ الاحباب
۱۰۔ شش کتاب
۱۱۔ خلاصہ کیدانی
۱۲۔ فقہ اکبر وصیت نامہ
۱۳۔ نبھتہ المحلی
۱۴۔ خطبہء جمعہ عید الفطر و عید الضحیٰ

دینی ادب سے ہٹ کر بلوچی نثر کی پیش لغت میں بلوچستان سے نکلنے والے رسائل وجرائد نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان جرائد میں بولان، بلوچستان جدید، اور نوائے وطن، قابل ذکر ہیں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بلوچوں کا ایک ایسی قوم سے آمنا سامنا ہوا جو جدید علم کا ذخیرہ اپنے پاس رکھتی تھی تو اس قوم نے بھی اپنے کُند بیٹھالوں سے اُسکا مقابلہ کیا۔ اُس نے نہ صرف انگریزوں کی مزاحمت کی بلکہ اُن کے علوم سے خود بھی سیکھا اور اُسے بلوچی محاورے میں ڈھالا۔ مگر جب اُن کے مذہب پر وار کیا گیا تو اُنہوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا اور بے شمار کتابیں بلوچی نثر میں لکھ کر اسلام کے قلعے کو یہاں پر مضبوط کیا۔ اس طرح نہ صرف تبلیغ کی کوششوں کو روکا گیا بلکہ بلوچی کو ایک

زندہ زبان بنانے کے لئے اور اُسکی ترقی اور ذخیرہ الفاظ میں اضافے کیلئے بھی راہ ہموار کی اور اُسی زمانے میں بلوچی نثر کی ایک ایسی روایت قائم ہوئی جسکی بنیاد پر آگے چل کر قیام پاکستان کے بعد بے تحاشہ کام بلوچی نثر میں کیا جاچکا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد سردار خان بلوچ، بلوچی شاعری، بحوالہ پاکستانی ادب، مرتبہ عبدالشکور احسن، لاہور، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۸۱ء، ص ص ۸۴۔۸۵۔

۲۔ ڈاکٹر عبدالمجید میمن سندھی، لسانیات پاکستان، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص ۳۵۸۔

۳۔ میر خدا بخش بلوچ بجارانی مری، ازمنہ بلوچ تاریخ وروایات، ذکا اللہ خان لودھی، کوئٹہ، مصنف، ۱۹۶۴ء، ص ۱۱۔

۴۔ میر گل خان نصیر، بلوچستان: قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں، کوئٹہ، نساٹریڈرز، ۱۹۸۲ء، ص ۲۲۱۔

۵۔ ٹمپل، آر، سی (مرتب) حکایات پنجاب، حصہ دوئم، مترجم، عبدالرشید، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۲ء، ص ص ۳۳۳۔۳۳۵۔

۶۔ محمد سردار خان بلوچ، بلوچ قوم کی تاریخ، مترجم انور لاحان، کوئٹہ، نساٹریڈرز، ۱۹۸۰ء، ص ص ۴۵۰۔۴۵۱۔

۷۔ میر خدا بخش بلوچ بجارانی مری، بحوالہ سابقہ، ص ص ۵۴۔۵۵۔

۸۔ ایضاً، ص ص ۵۸۔۵۹۔

۹۔ ایضاً، ص ۶۳۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۶۴، ۶۵۔

۱۱۔ سلیم خان گمی، بلوچی ادب بہاولپور، اُردو اکادمی، ۱۹۶۱، ص ۳۳، ۳۶۔

۱۲۔ ایضاً، دائرہ مصارف اسلامیہ ۴:۸۷۸۔

۱۳۔ محمد سردار خان بلوچ، بلوچی شاعری، بحوالہ پاکستانی ادب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۰۹۔

۱۴۔ ایضاً بلوچ قوم کی تاریخ، بحوالہ سابقہ، ص ۴۵۲۔

۱۵۔ سلیم خان گمی، دائرہ مصارف اسلامیہ، ۴:۸۷۹۔

۱۶۔ اعظم خان مری، ماہنامہ بلوچی دُنیا، ملتان، دسمبر ۱۹۹۰ء، ص ۱۲۔

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ براہوی بلوچ، تعارف مصنفین، (مرتبہ کامل القادری، عبدالرحمٰن براہوی)، لاہور نیشنل بک کونسل آف پاکستان، ص ۱۲۔

۱۹۔ امان اللہ غازی، گیدی قصہ، سومی، کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی، ۱۹۷۱ء، ص ۲۳۔

۲۰۔ محمود خان مری، گیدی قصہ، (دوہمی)، کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی، ۱۹۶۹ء، ص ۴۶۔

۲۱۔ سلیم خان گمی، دائرہ معارف اسلامیہ، ۴: ۸۸۰۔۸۸۱۔

۲۲۔ براہوی بلوچی، تعارف مصنفین، بحوالہ سابقہ۔

۲۳۔ دائرہ معارف اسلامیہ، بحوالہ سابقہ۔

۲۴۔ بلوچی، براہوی، تعارف مصنفین، بحوالہ سابقہ۔

۲۵۔ ایضاً۔